افسانوی مجموعہ

ذیشان یعقوب

حقیقت یہ ہے

(ملاوٹ)

ساجد ایک گوالا تھا، جس کی زندگی کی کہانی ایک تلخ حقیقت پر مبنی تھی۔ گاؤں کے لوگوں کے لیے وہ ایک جانا پہچانا چہرہ تھا، مگر اس کے دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے گناہ ایسے تھے جو اس کے ہر ایک عمل پر پردہ ڈالے ہوئے تھے۔

ساجد نے اپنی جوانی میں بھینسوں کا دودھ بیچ کر روزی کمائی۔ مگر اس کی زندگی کی حقیقت اتنی سادہ نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرتا، تاکہ منافع زیادہ ہو۔ ایک دن، لالچ نے اسے ایسا بھکایا کہ اس نے اپنی گدھی کا دودھ بھی بھینسوں کے دودھ میں ملا کر بیچنا شروع کر دیا۔ دورِ جدید میں، کیمیکل سے بنے دودھ کی آمد نے اس کی گناہ کی فہرست میں ایک اور اضافہ کر دیا۔ ساجد اپنی دولت میں خوش تھا، لیکن اس کے دل کی خوشی پر ملال کا پردہ پڑا تھا، جو کہ ساجد کے

گناہوں کی وجہ سے تھا۔

ساجد نے اپنی کثیر دولت سے ایک بہت بڑا گھر بنایا، اور اپنے تین بیٹوں کو پڑھایا۔ مگر جب بیٹے جوان ہوئے، تو انہوں نے ساجد کو گھر سے نکال دیا۔ ساجد کی زندگی کا زوال شروع ہوا، اور اس کی بھینسیں ایک ایک کر کے مر گئیں۔ وہ خود بھی بیمار ہوا اور سرکاری ہسپتال میں بے کس و لاوارث پڑا رہا۔

ایک دن، سرکاری ہسپتال میں نرس شہناز آئی، جو کہ ساجد کے قریب گئی۔ سفید لباس میں ملبوس، تھرمومیٹر ہاتھ میں لیے، وہ ساجد کی حالت پوچھتی ہے۔ ساجد، جو اب ایک کمزور اور بوڑھا شخص تھا،شہناز کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے۔ کہ اس نے اپنی جوانی میں خالص دودھ کی بجائے پانی ملایا، گدھی کا دودھ ملا کر بیچا، اور کیمیکل والے دودھ کا کاروبار کیا۔

ساجد نے اعتراف کیا کہ وہ اپنی جوانی میں لالچ کا
شکار ہوا، اور اپنے گناہوں کی سزا کاٹ رہا ہے۔ اس
نے یہ بھی کہا کہ جہنم اس کے انتظار میں ہے۔
شہناز نے اُسے دلاسہ دینے کی کوشش کی اور ایک
خیراتی تنظیم کی طرف سے آیا ہوا دودھ پیش کیا،
لیکن ساجد نے اس دودھ کا یہ کہہ کر انکار کردیا
میں دودھ نہیں پیتا شاید یہ بھی کسی گدھی کا
دودھ ہوگا۔

(ذیشان یعقوب)

(گلناز)

اس دن قدرت کی رحمت اپنے جوش میں تھی۔ ہر طرف خوشی کا ماحول تھا۔ شاہد بہت خوش تھا۔ وہ تمام احباب میں گلاب جامن تقسیم کر رہا تھا۔ دو بیٹوں فرحان اور عمران کے بعد اسکے گھر پہلی بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ وہ اور اسکی بیوی ریحانہ خوشی سے جھوم رہے تھے۔ اور آخر خوش کیوں نہ ہوتے بیٹیاں رحمت ہوتی ہیں۔ گلناز کی پیدائش کے بعد شاہد کے رزق میں بہت اضافہ ہوا۔ اسی طرح وقت گزرتا گیا، اب وہ چھوٹی بچی گلناز بیس سال کی ہوگئی۔ اس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی اور اب گھر میں بچوں کو ٹیوشن کلاسس پڑھاتی تھی۔

گلناز ایک خوش مزاج، ملنسار اور بے حد خوبصورت لڑکی تھی۔ حسن ایسا کہ جیسے خدا نے حور کی فرسٹ کاپی بنائی ہو۔ اسکی ایک منفرد عادت تھی

جو سب انسانوں میں نہیں ہوتی، وہ اپنی دوستوں، حالانکہ روز مرہ کی چیزوں کو بھی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ اسے محبت کی کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق تھا، مگر کہانی کے آخر میں انجام کو دیکھ کر وہ ہمیشہ ڈر جاتی تھی۔

نازیہ، گلناز کی کالج کی دوست تھی۔ وہ اکثر ایک دوسرے کے گھر آتی جاتی تھیں۔ نازیہ کا بھائی عرفان ایک خوش شکل، محنتی اور دل کا صاف لڑکا تھا۔ دل کا صاف اس لیے کہ ہم نے کبھی کسی سے اسکی برائی نہیں سنی۔ گزرتے وقت کے ساتھ گلناز اور عرفان ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے۔ وہ گھنٹوں واٹس ایپ پر بات کرتے تھے، اپنے جذبات کا اظہار کرتے، ساتھ جینے مرنے کے وعدے کرتے تھے۔ وہ اس مفلوج معاشرے کی سوچ سے دور اپنی ایک الگ ہی دنیا بسائے بیٹھے تھے۔ اس چھوٹی سی دنیا میں محبت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

گلناز کی ماں ریحانہ اپنے بھائی کے بیٹے سے گلناز کی شادی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ جبکہ شاہد اپنی بہن کے بیٹے سے گلناز کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ عرفان، جو ذات کا دھوبی تھا، وہ بھی رشتے کا امید وار ہوگا۔ شاہد کا تعلق مہر برادری سے تھا۔ اسکے خاندان میں اپنی برادری سے باہر شادی کرنا گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ شاہد کی بیوی ریحانہ بھی اسکی خالہ کی بیٹی تھی۔

ایک دن گلناز سہمی ہوئی ریحانہ کے پاس آئی۔ وہ اسے بتاتی ہے، "ماں، میری پیاری ماں، میں عرفان کو پسند کرتی ہوں، وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے، ہماری شادی کر دو ماں!" یہ بات سننے کی دیر تھی کہ ریحانہ خاندانی خون تیش میں آتا ہے، "بے شرم، بے حیا، تمہیں اس لیے پیدا کیا تھا کہ تم دھوبی سے عشق لڑاؤ۔" وہ گلناز کو بہت مارتی ہے۔ مگر گلناز کی محبت ثابت قدم رہتی ہے۔ شاہد کا دل تو چاہتا تھا

کہ وہ گلناز کی شادی عرفان سے کردے، اس میں کوئی ہرج بھی نہ تھا۔ عرفان کی مین بازار میں موبائل کی دکان تھی، وہ اچھا خاصا کماتا تھا اور خوش اخلاق لڑکا تھا، گلناز کو ہمیشہ خوش رکھتا۔ لیکن اپنی انا اور خاندان کی جھوٹی غیرت کے آگے شاہد نے اپنے اندر کے باپ کو مار دیا۔

عرفان کی والدہ تین بار عاجزانہ لہجے میں گلناز کا رشتہ مانگنے شاہد کے گھر آئیں، تینوں بار ریحانہ اور شاہد نے بری طرح دتکارا، پھر عجلت میں گلناز کا رشتہ ریحانہ کے بھتیجے عثمان سے کر دیا، جسے گلناز نے ہمیشہ اپنے بڑے بھائیوں کی طرح ہی سمجھا تھا۔ وہ بہت غمگین تھی مگر کسی سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ آخر بات کرتی بھی کس سے، جب اس کے ماں باپ ہی اسے اپنی انا کی بھینٹ چڑھانا چاہتے تھے۔

یہ گلناز کی شادی کا دن تھا۔ سب لوگ خوش تھے، سوائے گلناز اور عرفان کے۔ اب بہت دیر ہوگئی تھی،

کی بارات شادی ہال کے دروازے پر کھڑی تھی۔
اچانک ایک نوجوان جلدی میں دلہن کے قریب آکر
زور زور سے چیخنے لگتا ہے، "ہائے، میرے یار نے خود
کو ختم کرلیا! تم لوگ ظالم ہو! اپنی اولاد کی
خوشیوں کے دشمن ہو!" وہ نوجوان عرفان کا دوست
بلال تھا۔ اسکی بات سن کر گلناز کے سینے میں
تکلیف ہوئی، اور وہ زمین پر گر گئی۔ تقریب میں آئے
ڈاکٹر علی نے گلناز کی نبض چیک کی تو وہ بے جان
ہوچکی تھی۔

محبت کی بھی ذات ہوتی ہے۔ شاہد کی بہن رضیہ نے
طنزیہ انداز میں کہا۔ شاہد اور ریحانہ نے اپنی باقی
زندگی ملامت میں گزار دی، اب وہ اس کے سوا کچھ
کر بھی نہیں سکتے تھے۔ جب وقت تھا، انا نے ان کی
آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ شہر میں بہت سی چہم
گوئیاں ہونے لگیں۔ اب موت کے بعد اللہ گلناز اور
عرفان کو ملا دے گا؟ ارے نہیں بھائی، توبہ کرو!
گلناز تو طبعی موت مری ہے، ہوسکتا ہے کہ جنت

آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ شہر میں بہت سی چہم
گوئیاں ہونے لگیں۔ اب موت کے بعد اللہ گلناز اور
عرفان کو ملا دے گا؟ ارے نہیں بھائی، توبہ کرو!
گلناز تو طبعی موت مری ہے، ہوسکتا ہے کہ جنت
میں چلی جائے۔ عرفان پکا جہنم میں جائے گا۔ توبہ
توبہ، خدا سب والدین اور بچوں کو ہدایت دے۔
کامران چچا نے دھیمے لہجے میں کہا۔

(ذیشان یعقوب)

ننگی محبت

فردوس ایک خوبصورت اور معصوم لڑکی تھی، جس نے دل میں سچی محبت کی تلاش کا خواب سجایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں امیدوں کی چمک تھی اور دل میں محبت کی خواہش۔ ایک دن، جب اس کی ملاقات فرہاد سے ہوئی، اس نے خوابوں کی حقیقت بننے کی امید کی۔ فرہاد، جو ایک دلکش اور چمکدار شخصیت تھا، نے فردوس کے دل میں محبت کی چاندنی پھیلانے کی کوشش کی۔

ابتدا میں، فرہاد نے محبت کا جھانسہ دیا اور شادی کے وعدے کر کے فردوس کا اعتماد حاصل کیا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرا، فرہاد کی حقیقی نیت واضع ہونا شروع ہوئی۔ اس نے فردوس سے ننگی تصاویر کی ڈیمانڈ کی اور محبت کے نام پر بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ فردوس نے ابتدا میں انکار کیا، لیکن فرہاد کی جھوٹی محبت اور دھوکے سے بھرپور باتوں نے اسے مجبور کر دیا۔

بھرپور باتوں نے اسے مجبور کر دیا۔

فرہاد نے فردوس کی تصاویر جمع کر لیں، اور پھر اپنی اصلی رنگت دکھائی۔ اس نے فردوس کو ناجائز جنسی تعلق قائم کرنے کے لیے دھمکایا، اور جب فردوس نے انکار کیا، تو اس نے اس کی ننگی تصاویر سوشل میڈیا پر اپلوڈ کر دیں۔ فردوس کی عزت اور ساکھ لمحے میں خاک میں مل گئی۔

اس دردناک صورتحال کے باعث، فردوس نے خود کو بے وقعت محسوس کیا اور زہر کی گولیاں کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے آخری الفاظ، "میں تو ننگی ہو گئی، میرے ساتھ آج کے فرہاد کی محبت بھی ننگی ہوگئی"، اس کی تکلیف اور فرہاد کی جھوٹی محبت کی عکاسی کرتے ہیں۔

(ذیشان یعقوب)

(تغرِ زندگی)

فرزانہ ایک خوبصورت، چلبلی اور ذہین لڑکی تھی۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس نے اپنے دل کی آواز پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ خاندان کی توقعات، معاشرتی دباؤ، اور ہر روز آنے والے رشتہ دیکھنے والوں کو فرزانہ نے نظرانداز کیا۔ وہ اپنے خوابوں کی دنیا میں مگن تھی، جہاں اس نے اپنی تعلیم مکمل کی، کیریئر پر توجہ دی اور خودمختاری کی راہوں پر چلتی رہی۔

فرزانہ کی زندگی میں آنے والے رشتہ دیکھنے والوں کے لیے اکثر یہی حال ہوتا کہ وہ اس کے مزاج یا اس کی تعلیم کو درخور اعتنا نہ سمجھتے۔ اکثر لڑکے، جو کہ روایتی طور پر سادہ اور محدود خیالات رکھتے

تھے، اس کی آزاد خیالی اور جدید سوچ کو برداشت نہ کرپاتے۔ فرزانہ ہر بار ان کا خندہ پیشانی سے خیرمقدم کرتی اور ایک شائستہ انداز میں انکار کر دیتی۔

وقت کی رفتار تیز تھی اور فرزانہ کی عمر چالیس کی دہلیز پر پہنچنے لگی۔ معاشرتی دباؤ بڑھنے لگا۔ رشتہ دیکھنے والے لوگ اب اس کی جوانی کے زوال پر زیادہ توجہ دینے لگے۔ ہر بار کوئی نہ کوئی وجہ تلاش کر لی جاتی کہ کیوں وہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ کبھی وہ زیادہ عمر رسیدہ کہلائی جاتی، کبھی بے جوڑ اور کبھی معاشرتی معیار کے مطابق نامناسب قرار دی جاتی۔

اس کی شخصیت میں موجود وہ سب خوبیاں جو کبھی اس کی جوانی کی علامت سمجھی جاتی تھیں، اب اس کی عمر کی قید میں کھو گئی تھیں۔ رشتہ دیکھنے والے ان عناصر کو نظرانداز کر رہے تھے

جنھوں نے اسے ایک انفرادیت عطا کی تھی۔ فرزانہ کی خودمختاری اور علم کی روشنی ان کے لیے اب محض ایک تذکرہ رہ گئی تھی۔

فرزانہ نے اپنے دل کی سنجیوی سے اطمینان پایا، مگر دل کے کونے میں ایک کرب تھا۔ اس نے زندگی میں بہت کچھ پایا، مگر محبت کی کمی محسوس کی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی قسمت میں شاید وہ محبت نہیں ہے جسے معاشرتی رشتہ داریوں میں دیکھا جاتا ہے۔

یومیہ زندگی کی روٹین میں، اس نے خود کو یہی سمجھایا کہ جس انداز میں اس نے زندگی گزاری، وہ اس کی اپنی مرضی کا انتخاب تھا۔ لیکن کبھی کبھار، جب شام کی خاموشی اس پر چھا جاتی، تو وہ سوچتی کہ کاش اس نے جوانی کے دنوں میں رشتہ دیکھنے والوں کو تھوڑی زیادہ سنجیدگی سے لیا ہوتا، شاید وہ خود کو آج اس گہری تنہائی میں نہ

وہ سوچتی کہ کاش اس نے جوانی کے دنوں میں رشتہ دیکھنے والوں کو تھوڑی زیادہ سنجیدگی سے لیا ہوتا، شاید وہ خود کو آج اس گھری تنہائی میں نہ پاتی۔

ذیشان یعقوب

حاسد

سلیمان کی زندگی محنت اور دیانت داری کی علامت تھی۔ دن رات کھیتوں میں جُتے رہنے کے بعد، اس نے اپنے خوابوں کو حقیقت بنایا تھا: اپنی محنت سے حاصل شدہ پیسوں سے ایک بھینس خریدی، جو جلد ہی اس کی خوشیوں کی ضامن بن گئی۔ دھیرے دھیرے، اس نے مزید بھینسیں خریدیں، اور ان کی موجودگی اس کی زندگی میں ایک خوشحال انقلاب لے آئی۔ سلیمان کی خوشیوں کا یہ جشن اس کے گھر میں محسوس کیا جا سکتا تھا۔

رضیہ، سلیمان کی بھابھی، شہر میں چمڑے کا کاروبار کرنے والے فرحان کی بیوی تھی۔ فرحان کا کاروبار کامیاب تھا اور اس نے رضیہ کی ہر خواہش

پوری کی۔ لیکن اس تمام دولت اور خوشحالی کے باوجود، رضیہ کے دل میں سلیمان کی بھینسوں کے خلاف حسد کا سمندر بھر گیا تھا۔ جب وہ سلیمان کی بھینسوں کو دیکھتی، تو اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھتی۔ یہ آگ اس کے اندر کی ایک بُری چڑیل کی مانند تھی، جو اسے سکون اور اطمینان سے محروم کر رہی تھی۔

رضیہ نے کبھی سلیمان کی خوشی کو دل سے نہیں مانا۔ اس نے محسوس کیا کہ سلیمان کی محنت، سادگی اور بھینسوں کی کامیابی اس کی اپنی خوشی کا بگاڑ ہے۔ چاہے وہ روزانہ نماز پڑھتی تھی اور دعا کرتی تھی، لیکن اس کی دعائیں ہمیشہ دوسرے لوگوں کی خرابی کی دعا پر مرکوز رہتی تھیں۔ اس کی خوشیوں کی عدم موجودگی میں، رضیہ ہمیشہ دوسروں کی مشکلات میں خوشی تلاش کرتی تھی۔

جولائی کے آخر میں، جب سلیمان کی ایک بھینس نے بچھڑے کو جنم دیا، تو گھر میں خوشیوں کا ایک نیا سنگیت بجنے لگا۔ مگر رضیہ کے دل میں یہ خوشی برداشت کرنے کی سکت نہیں تھی۔ اس نے حسد کی بیماری کی شدت کو محسوس کیا، اور اپنے دل کی پیاس بجھانے کے لیے ایک خوفناک منصوبہ بنایا۔

ایک رات، جب سلیمان اپنی بیمار ساس کی تیمارداری کے لیے گھر سے باہر تھا، رضیہ نے اپنی حسد کی آگ کو بھڑکانے کے لیے سیاہ نقاب اوڑھا اور پیسوں سے بھرے پرس کو ساتھ لیا۔ اس نے شہر کی فارمیسی سے زہر اور سرنجیں خریدیں، جو اس کے گناہ کے منصوبے کی تکمیل کے لیے ضروری تھیں۔ فارمیسی کےسیلز مین کے لالچ نے رضیہ کی مدد کی، اور رضیہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ سلیمان کی حویلی کا رخ کیا۔

چاندنی رات میں، رضیہ نے چھت کے ذریعے حویلی

چاندنی رات میں، رضیہ نے چھت کے ذریعے حویلی میں داخل ہو کر سلیمان کی پانچوں بھینسوں کو زہر کے ٹیکے لگا دیے۔ اس عمل سے چند لمحے بعد ہی تمام بھینسیں مر گئیں۔ رضیہ کا دل بچھڑے کی طرف بڑھا، مگر اچانک سلیم کی آواز نے اس کے ارادے کو توڑ دیا۔ سلیم، جو کہ سلیمان کا پڑوسی تھا، اسنے نقاب پوش کو چھت کے راستے رضیہ کے گھر داخل ہوتے دیکھ لیا تھا ۔ رضیہ، خوف اور جلدی میں تھی رضیہ کا پیسوں کا پرس جس میں رضیہ کے شناختی کارڈ کی ایک فوٹو کاپی بھی موجود تھی جلدی میں سلیمان کی حویلی میں ہی گرگیا۔

سلیم نے فوراً سلیمان کو اطلاع دی کہ اس کی بھینسیں مر چکی ہیں اور قاتل ایک عورت تھی جو چھت سے داخل ہوئی تھی۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر رضیہ کا پیسوں کا پرس برآمد کیا، اور اس کی گرفتاری عمل میں آئی۔ جیل جاتے ہوئے، رضیہ کے دل میں ایک پچھتاوا تھا: کاش وہ بچھڑے کو بھی

غریب کی بیٹی

گرمی اپنے عروج پر تھی۔ انور تیز دھوپ میں سر پر باریک کپڑا اوڑھے اپنی فصل کے ایک کنارے پر کھڑا گھری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی سبز قمیض جس پر زرد پیوند لگے ہوئے تھے، پسینے کی وجہ سے جسم کے ساتھ چپک گئی تھی۔ یہ تو پھر گرمی تھی؛ انور کو سردیوں میں بھی اکثر دھوپ میں پسینہ آجاتا تھا۔ انور پیلے یرقان کے مرض میں مبتلا تھا، وہ اپنے علاج کے لیے گورنمنٹ ہسپتال ڈسکہ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کا مرض دیکھتے ہوئے اسے دوائیوں کا ایک لمبا پرچہ لکھ دیا۔ اور کہا کہ ان میں سے یہ ایک دوا ہسپتال کی ڈسپنسری پر موجود ہے، یہ تمہیں فری دے دی جائے گی، باقی چھ پرائیویٹ ڈسپنسری سے لے لینا۔

انور جب سے کمانے کی عمر کو پہنچا تھا، اس نے

انور جب سے کمانے کی عمر کو پہنچا تھا، اس نے خود پر کبھی کچھ خرچ نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی دوا پر پیسے لگانا مناسب نہیں سمجھا، اور نہ ہی گھر میں کسی کو بتایا۔ گھر میں اس کی بیوی مہرالنسا اور بیٹی شگفتہ تھی، اور یہی انور کی پوری دنیا تھی۔ شگفتہ انور کی واحد اولاد تھی۔ وہ اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ زندگی کی جو سختیاں اس نے اور اس کی بیوی نے دیکھی ہیں، ان کی بیٹی نہ دیکھے۔

انور کا باپ ایک کسان تھا، اس کی چھ ایکڑ زمین تھی، انور بھی اسی زمین میں کھیتی باڑی کرتا اور انور کو اس کے سوا کوئی دوسرا کام آتا بھی نہیں تھا۔ انور کے تین بھائی تھے: یوسف، ستار اور غفار۔ انور بہت سادہ اور نیک دل انسان تھا، مگر اس کے دوسرے بھائی ایسے نہیں تھے۔ انور کے باپ کی وفات کے فوراً بعد اس کے بھائیوں نے پٹواری کی ملی بھگت سے انور کی زمین بھی اپنے نام کرلی۔

انور نے بہت سے دفاتر کے چکر لگائے مگر کچھ نہیں ہوا، اور ہوتا بھی کیسے، انور کی جیب خالی تھی۔ اور اس ملک میں پیسے کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ پھر انور نے اپنا انصاف رب پر چھوڑ دیا اور ٹھیکے پر زمین لے کر کاشت شروع کر دی۔

انور کے باپ نے اپنی حیات میں ہی انور کی شادی مہرالنسا سے کردی تھی۔ انور کو اپنے والد کی یہی ایک نیکی یاد تھی اور شاید انور کے حصے میں اس کے باپ کی طرف سے یہی ایک نیکی تھی۔ مہرالنسا بیگم ایک صابر خاتون تھی، اس نے مشکل سے مشکل وقت انور کے ساتھ گزارا مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔ لیکن اب انور کی بیٹی شگفتہ شادی کے قابل ہوگئی تھی۔ انور اور مہرالنسا شگفتہ کی شادی کے لیے بہت فکر مند تھے۔ انور نے بہت بار رشتے کروانے والی نازیہ خالہ کو بیٹی کے رشتے کی تلاش کا کہہ چکا تھا، مگر خالہ نازیہ کا بھی ایک ہی اصول تھا: وہ پیسے کے بغیر نہیں

چلتی۔

انور نے بہت دنوں میں گھر کے خرچ سے تھوڑے
تھوڑے پیسے اکٹھے کر کے دو ہزار خالہ کو دیا، تب
خالہ نے رشتے کی تلاش شروع کی۔ نازیہ خالہ بہت
سے رشتے والوں کو لائی، مگر ان میں سے اکثر
شگفتہ کا چہرہ دیکھے بغیر ہی صرف گھر کی حالت
دیکھ کر چلے گئے۔ انور تین مرلے کے ایک خستہ حال
گھر میں پانچ ہزار روپے کرائے پر رہتا تھا۔ شگفتہ
ایک خوبصورت، ملنسار اور خوش گفتار لڑکی تھی،
اس نے ایف اے تک تعلیم سرکاری کالج ڈسکہ سے
حاصل کی تھی۔ اس کے بعد کی تعلیم کے لیے انور
کے پاس رقم موجود نہیں تھی۔ اور پھر بیٹی کا
فرض بھی ادا کرنا تھا۔

آخر وہ دن آہی گیا جب نازیہ خالہ شگفتہ کے لیے
اسد کا رشتہ لائی۔ اسد ایک سیاہ رنگت والا تقریباً
تیس بتیس سال کا مرد تھا۔ دوسروں کے مقابلے میں
اسد کے گھر والوں نے جہیز میں صرف ایک بنڈا

اسد کے گھر والوں نے جہیز میں صرف ایک ہنڈا موٹر سائیکل، ایک الماری، ایک بیڈ اور چار صوفوں کا مطالبہ کیا۔ اور اسد کی والدہ نے بہت عیار لہجے میں کہا، "ماشاءاللہ لڑکی بہت خوبصورت ہے، ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔" انور نے اس سال ٹھیکے پر لے کر چار ایکڑ زمین کاشت کی تھی۔ ابھی زمین مالک ملک احسان اور ٹریکٹر والے محمود منشی کے پیسے بھی دینے باقی تھے۔ یہ 2024 تھا۔ اس سال حکومت کے کسی نفس پرست عہدیدار نے اپنے ذاتی لالچ کی خاطر وافر مقدار میں گندم درآمد کرلی تھی۔ اور کسانوں سے گندم خریدنے سے انکار کردیا تھا۔ گندم کی قیمت اتنی کم ہوگئی تھی کہ کسانوں کی لاگت بھی پوری نہ ہوسکی۔

انور سخت دھوپ میں کھڑا اب سوچ رہا تھا کہ گندم بیچ کر جو پیسے ملے، ان سے دوسرا سامان تو آ گیا اور شادی کے کھانے کے لیے رشید کریانے والے نے خدا کی راہ میں یہ کہتے ہوئے پیسے دے دیے کہ

نے خدا کی راہ میں یہ کہتے ہوئے پیسے دے دیے کہ شگفتہ میری بھی بیٹی ہے۔ رشید صاحب ہی وہ واحد خدا ترس آدمی تھے جنہیں انور اس دنیا میں جانتا تھا۔ لیکن انور ابھی تک موٹر سائیکل کا انتظام نہیں کر سکا تھا۔ انور نے خدا کا نام لے کر شادی کی رسومات کا آغاز کیا۔ اس نے سوچا کہ ہنڈا اگلے سال دیدوں گا، اس سال وہ ویسے بھی بہت قرض لے چکا تھا۔

یہ بارات کا دن تھا۔ تمام رشتہ دار بھی آئے تھے کیونکہ اسد کی والدہ کی شرط تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کرے گی۔ مولوی مجید صاحب نکاح پڑھانے ہی والے تھے کہ اچانک اسد کی والدہ کو ہنڈا موٹر سائیکل یاد آتا ہے۔ وہ گرج سے بولتی ہے، "میرے اسد کی موٹر سائیکل کہاں ہے؟" انور اسے بہت سمجھاتا ہے کہ بہن، میں اگلے سال دے دوں گا! ابھی نکاح ہونے دو، مگر اسد کی ماں سمجھنے والی عورتوں میں سے نہیں تھی۔ اس نے اپنے بیٹے کا بازو پکڑا اور باہر کی طرف چل پڑی۔

انور اسے بہت سمجھاتا ہے کہ بہن، میں اگلے سال دے دوں گا! ابھی نکاح ہونے دو، مگر اسد کی ماں سمجھنے والی عورتوں میں سے نہیں تھی۔ اس نے اپنے بیٹے کا بازو پکڑا اور باہر کی طرف چل پڑی۔ انور جو اپنی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی اندر سے ختم ہو چکا تھا، اس صدمے کی تاب نہ لا سکا اور دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے شادی کے اسی ماحول میں وفات پا گیا۔

وہ مفلس انور جو تمام عمر اس عیار معاشرے سے اپنے گزر بسر کے لیے جدوجہد کرتا رہا، اس زمین پر بے جان پڑا تھا۔ وہ اب بس اپنی بیٹی کو اپنے گھر کا ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔ آہ، خواہش انجام موت ہوئی۔ شگفتہ زور زور سے رونے لگی، "میرے بابا! ہائے میرے بابا! اٹھو میرے بابا! مجھے شادی نہیں کرنی بابا! آپ مجھے چھوڑ کر نہ جائیں، بابا!" اور وہ رونے کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھی؟ آخر وہ ایک غریب کی بیٹی تھی۔

کہانی پاکستان کی

پاکستان کی آزادی کے بعد ہر سال 14 اگست کو جشن منایا جاتا ہے، لیکن ارشد اور اس کی فیملی کے لیے یہ دن کچھ مختلف ہوتا ہے۔ ارشد، ایک کسان کا بیٹا، اپنی زندگی کی مشکلات سے نبرد آزما رہنے کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔

1947 میں بھارت سے پاکستان منتقل ہونے والے ارشد کے اجداد نے نئی مملکت کے خواب کو حقیقت بنانے کے لیے سخت محنت کی۔ ارشد کے والد نے اپنی ساری زندگی غربت میں گزاری، اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے، تو ارشد کے حصے میں صرف تھوڑی سی زمین آئی، جو کہ غربت کے عذاب کو مزید بڑھا رہی تھی۔ اس محدود زمین سے حاصل

کے بعد کچھ بچتا بھی نہیں تھا۔

ارشد، جو راج مستریوں کے پیچھے مزدوری کرتا تھا، پہلے تو سفید پوشی میں زندگی گزارتا رہا، لیکن جب سے شہباز شریف کی حکومت آئی ہے، حالات نے بدتر شکل اختیار کر لی۔ سیمنٹ کی قیمتوں میں اچانک اضافے کی وجہ سے تعمیراتی کام رک گئے، جس سے مزدوروں کا روزگار بھی متاثر ہوا۔ ارشد کے لیے بھی یہ وقت بہت مشکل تھا۔

اب ارشد کی کل جمع شدہ رقم دس ہزار تھی، جو اس نے اس ماہ کے بل ادا کرنے کے لیے استعمال کی۔ دو دن سے ارشد کے گھر میں کھانا نہیں تھا، اور بچوں کی بھوک اس کے دل کو چیر رہی تھی۔ ارشد نے دل کی عزت کو پس پشت ڈال کر دوسرے شہر جا کر بھیک مانگنے کا فیصلہ کیا۔ وہ سیالکوٹ کے معروف علاقے میں ماسک لگا کر بھیک مانگنے نکلا، اور بمشکل 530 روپے اکٹھے کیے۔

یہ پیسے اتنے کم تھے کہ زیادہ مدد نہیں کر سکے، لیکن ارشد نے ان پیسوں سے مقامی ہوٹل سے کچھ کھانا خریدا اور گھر واپس آیا۔ ارشد کی بیوی رضیہ کے چہرے پر ایک جھلک مسکراہٹ دیکھ کر اس کے دل کو کچھ سکون ملا۔

ارشد کے منجھلے بیٹے حامد کی عمر آٹھ سال تھی اور وہ پرسوں 14 اگست کے جشن کے لیے پرجوش تھا۔ اس نے بابا سے سوال کیا، "میرا جھنڈا کہاں ہے؟ میرا باجا کہاں ہے؟ سب بچوں کے پاس تو جھنڈے اور باجے ہیں، کیا ہم آزاد نہیں ہیں؟"

ارشد نے مایوسی سے کہا، "نہیں بیٹا، ہم آزاد نہیں ہوئے۔" یہ الفاظ اس کے دل کی گہرائیوں کو ظاہر کر رہے تھے۔ ارشد کی جدوجہد، غریبی کی چکی میں پسنے والی زندگی، اور اس کی بھوک کی اذیت، آزادی کے جشن کے ساتھ ایک تلخ حقیقت کا سامنا کر رہی تھی۔

ہوس زدہ محبت

وادی کیلاش کی سبز وادیوں میں ایک خوبصورت لڑکی، آنگا، جو دل کی گہرائیوں سے محبت کو سمجھنا چاہتی تھی، اپنے خوابوں کی دنیا میں گم تھی۔ وہ اپنے گاؤں کے ثقافتی میلے میں رقص کرتی، جیسے کوئی پری ہوا میں جھوم رہی ہو۔ لیکن اُس کی معصومیت کو بعض نظر سے کھوجا جا رہا تھا۔

فرحان، لاہور کا رہائشی ایک عیاش لڑکا، نے کیلاشی ثقافت کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں اور آنگا کی بے باک خوبصورتی نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ، فرحان نے آنگا کو پھنسانے کی سازش تیار کی۔ اس کے دل میں آنگا

کے لیے محبت کے بجائے فقط حوس تھی۔

آنگا کی دلکشی نے فرحان کو اپنی طرف کھینچ لیا، اور اس نے آنگا سے بات کرنے کی کوشش کی۔ آنگا نے ابتدائی طور پر فرحان کو ٹالا، مگر آنگا کی معصوم خواہشوں نے اُسے دھوکہ کھانے پر مجبور کر دیا۔ فرحان نے وعدے کیے کہ وہ آنگا کو مسلمان کرے گا اور اُس سے شادی کرے گا، مگر آنگا ان وعدوں کی حقیقت نہ سمجھ سکی۔

فرحان نے آنگا کو لاہور لے جا کر ایک کرائے کے کمرے میں رکھا۔ اس نے آنگا سے وعدے کیے کہ مولوی صاحب آئیں گے اور نکاح ہوگا، لیکن یہ سب جھوٹ تھا۔ جب فرحان نے آنگا سے جنسی تعلق قائم کرنے کے لیے کہا، تو اُس نے انکار کیا پھر فرحان نےآنگا پر تشدد شروع کر دیا۔ فرحان اور اس کے دوستوں نے آنگا کو کئی بار جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا، اور آنگا کی حالت بدتر ہوتی چلی گئی۔

آنگا کو کئی بار جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا، اور آنگا
کی حالت بدتر ہوتی چلی گئی۔

چند مہینے اسی غلاظت میں گزارنے کے بعد، فرحان
اور اس کے دوستوں کی سفاکیت کا پتا محلے کے
لوگوں کو چل گیا۔ پولیس کے ڈر سے، فرحان نے آنگا
کو گاڑی میں ڈال کر کہیں ویرانے میں پھینک دیا۔
جب آنگا کی آنکھ کھلی، تو وہ کچرے اور غلاظت
کے ڈھیر میں پائی گئی۔ کپڑے ناپید تھے، اور اُس
کی حالت ناقابلِ بیان تھی۔ آنگا نے خود کو غلاظت
کے ڈھیر میں پایا، اور اپنے چہرے پر کچرا مل کر،
اس نے ایک بے حد کربناک حقیقت کا اظہار کیا۔

"یہ ہے ہوس زدہ محبت کا انجام،" آنگا نے دل کے
کسی کونے سے نکلتی ہوئی آواز میں کہا، اور اُس کی
آنکھوں میں آنسوؤں کی لکیریں جھلکنے لگیں۔

افسانہ: عابد کی آخری ریڈنگ

عابد ایک چھوٹے شہر میں واپڈا کا میٹر ریڈر تھا۔ ہر ماہ وہ اپنی مخصوص تاریخ کے تین چار دن بعد صارفین کے میٹرز کی ریڈنگ کرنے آتا، تاکہ بلوں میں اضافہ کرکے خود کچھ اضافی کمائی کر سکے۔ عوام اس کی چالاکی سے نالاں تھے، مگر اس کی عادت بدلنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔

ایک روز، عابد نے اپنے معمولات کے مطابق ریڈنگ کے لیے ایک گھر کا رخ کیا۔ جیسے ہی اس نے میٹر کے قریب پہنچ کر ریڈنگ کی، اس نے محسوس کیا کہ کچھ عجیب سا ہے۔ فضا میں ایک بوجھل خاموشی چھائی ہوئی تھی اور سورج کی روشنی کچھ مدھم سی ہو گئی تھی۔ عابد نے ان باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا۔

ادھر، عابد کی ایک پراسرار بیماری نے گرفت کرنا

ادھر، عابد کی ایک پراسرار بیماری نے گرفت کرنا شروع کر دی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے جسم میں ایک عجیب قسم کی کمزوری اور درد بڑھ رہا ہے۔ مگر وہ اپنی حالت کو معمولی سمجھ کر کام کرتا رہا۔

دن گزرتے گئے، عابد کی حالت مزید بگڑتی چلی گئی۔ وہ ہر ماہ کی آخر میں اپنی ریڈنگ کی بجائے گھر سے باہر نکلتے وقت سب کچھ اپنے ہاتھ سے کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کی حالت کی پرواہ نہیں کی، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی حالت نے اس کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔

ایک شام، جب عابد آخری بار ریڈنگ کے لیے ایک گھر پہنچا، وہ خود کو بہت زیادہ بیمار اور کمزور محسوس کر رہا تھا۔ اس کے بدن کی حالت اس قدر خراب تھی کہ وہ میٹر کی ریڈنگ کرنے کے بعد بھی قدم اُٹھانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اس نے آخری بار

قدم اُٹھانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اس نے آخری بار آسمان کی طرف دیکھا، اور ایک گہری سانس لی۔ جیسے ہی وہ واپس اپنے گھر کی طرف بڑھا، اسے شدید درد نے آ گھیرا۔

عابد کی حالت تیزی سے بگڑتی گئی اور آخرکار، وہ اسی رات اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کی موت نے شہر میں ایک گہرا اثر چھوڑا، اور لوگوں نے اپنے درمیان نیک نیتی اور ایمانداری کی اہمیت کو محسوس کیا۔